شریعت، طریقت اور اجتماعیت پر مبنی دینی شعور کا نقیب

ماہنامہ

رحیمیہ

لاہور

بانی: حضرت اقدس مولانا **شاہ سعید احمد** رائے پوریؒ
قدس اللّٰہُ سِرّہٗ السّعید مسند نشین رابع خانقاہ عالیہ رحیمیہ رائے پور

مدیرِ اعلیٰ: حضرت اقدس مولانا مفتی **عبدالخالق آزاد** رائے پوری
جانشین حضرت اقدس رائے پوری رابعؒ

جون 2021ء / شوال المکرم، ذوقعدہ ۱۴۴۲ھ • جلد نمبر 13، شمارہ نمبر 6 • قیمت: 20 روپے • سالانہ ممبرشپ: 200 روپے • تین سالہ ممبرشپ: 500 روپے

مجلس ادارت

سرپرست: ڈاکٹر مفتی سعید الرحمٰن
صدر: مفتی عبدالمتین نعمانی
مدیر: محمد عباس شاد

ترتیبِ مضامین

- بنی اسرائیل کی اجتماعی تربیت کے اُمور
- عبودیت کا ثمر
- حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہٗ
- مسلم دُنیا کو درپیش چیلنجز اور بیسویں صدی کی مسلم فکر
- تمام نیکیوں کا بنیادی اساسی اُصول؛ توحید الٰہی (2)
- یورپ میں آزاد اُموی ریاست کے بانی عبدالرحمٰن الداخل (2)
- خودمختار مرکزی بینک؟
- امریکی اِنخلا اور افغانستان کی تعمیرِ نو
- قرآن حکیم ایک امانت ہے
- امانت اور دیانت داری کے تقاضے
- امانت کا تقاضا یہ ہے کہ ظلم کے خلاف آواز بلند کی جائے
- قرآن ہر طرح کے ظلم کا انکار کرتا ہے
- ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہان پوریؒ کا سانحۂ اِرتحال
- حمد یہ نعت
- دینی مسائل

ارشادِ گرامی

حضرت اقدس مولانا **شاہ عبدالقادر** رائے پوری قدس سرہ
مسند نشینِ ثانی
خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور

رات کی مجلس میں لکھنؤ کے مولوی صاحب نے دریافت کیا کہ:

جو شخص تہجد کی نیت سے سوئے اور نہ اُٹھ سکے، اس کو حسبِ حکمِ حدیثِ (نبویؐ) ثواب ملتا ہے اور اتنے نفل قضا کے طور پر بھی ادا کر لیے جاتے ہیں، مگر پھر بھی جو افسوس ہوتا ہے، کیوں ہوتا ہے؟

حضرت نے فرمایا کہ: ''جو ملکہ پیدا ہوتا ہے، وہ تو (اعمال) کرنے سے ہوتا ہے۔ نیت کا ثواب بھی بڑی چیز ہے، مگر وہ ملکہ کے لیے کارآمد نہیں اور وہ افسوس، (نماز سے) مناسبت اور ملکہ جو (پیدا) ہوا ہے، اس کی ترقی کے رُکنے سے ہوتا ہے۔

کسی نے پوچھا: ملکہ کیا ہے؟ فرمایا کہ: ''کسی چیز سے طبیعت کو جو لگاؤ ہو جاتا ہے، وہی ملکہ ہے اور یہ افسوس بھی اس لگاؤ کی وجہ سے ہوتا ہے''۔

(۱۷ر رمضان المبارک ۱۳۶۸ھ/ 14 رجولائی 1949ء، بروز: جمعرات۔ مقام: رائے پور)
(ارشاداتِ حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ، ص 97-396، طبع: رحیمیہ مطبوعات، لاہور)

ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ ٹرسٹ لاہور

رحیمیہ ہاؤس، 33/A کوئینز روڈ (شارع فاطمہ جناح) لاہور
0092-42-36307714,36369089-www.rahimia.org
Email: info@rahimia.org

رحیمیہ کا انگلش ایڈیشن ہماری ویب سائٹ پر پڑھا جاسکتا ہے۔

رقومات کی ترسیل بنام ''ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ ٹرسٹ لاہور'' اکاؤنٹ نمبر 0010030341820010 الائیڈ بینک مزنگ چونگی برانچ لاہور، برانچ کوڈ 0533

www.rahimia.org

درسِ قرآن

تفسیر: شیخ التفسیر مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری

بنی اسرائیل کی اجتماعی تربیت کے اُمور

وَ ظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَ السَّلْوٰى ؕ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ؕ وَ مَا ظَلَمُوْنَا وَ لٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۵۷﴾ (البقرہ:57)

(اور سایہ کیا ہم نے تم پر اَبر کا اور اُتارا تم پر مَن اور سلویٰ۔ کھاؤ پاکیزہ چیزیں، جو ہم نے تم کو دیں۔ اور انھوں نے ہمارا کچھ نقصان نہ کیا، بلکہ اپنا ہی نقصان کرتے رہے۔)

گزشتہ آیات میں یہ واضح کیا گیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کی اَخلاقی تربیت کے لیے بڑی کوشش کی۔ یہ تذکرہ آیت نمبر 49 سے لے کر آیت نمبر 56 تک کیا گیا ہے۔ زیرِنظر آیت سے ان کی اجتماعی تربیت سے متعلق اُمور کا بیان ہے۔

وَ ظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ: حضرت موسیٰ علیہ السلام جب بنی اسرائیل کو مصر سے لے کر شام کی طرف روانہ ہوئے تو راستے میں ایک بڑا صحرا آتا ہے۔ اس صحرائی زندگی میں بنی اسرائیل کی اجتماعی ضرورتوں کو پورا کرنے کا انتظام اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے کیا گیا۔ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ فرماتے ہیں: ''جب فرعون غرق ہو چکا اور بنی اسرائیل بحکمِ الٰہی مصر سے شام کو چلے تو جنگل میں اُن کے خیمے پھٹ گئے۔ گرمی آفتاب کی ہوئی تو تمام دن ابر رہتا اور اناج نہ رہا تو مَن وسلویٰ کھانے کے لیے اُترتا''۔ امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے انسانی معاشرے کی اجتماعی ترقی کے چار ارتفاقات بیان کیے ہیں۔ تہذیبِ شخصی کے ساتھ پہلی اجتماعیت صحرائی زندگی سے شروع ہوتی ہے۔ انسان کو اس مرحلے پر گرمی سردی سے بچاؤ کے طریقے سوچنے پڑتے ہیں اور کھانے پینے سے متعلق اُمور اختیار کرنے ہوتے ہیں۔ فرعون کی غلامی سے آزادی کے بعد بنی اسرائیل کی تربیت کا مرحلہ شروع ہوا تو انھیں صحرائی زندگی سے متعلق اُمور سکھانا ضروری تھے۔ چاروں طرف گرمی اور دھوپ کی موجودگی میں جہاں بنی اسرائیل کے افراد کا اجتماع ہوتا، وہیں ایک بادل اُس اجتماع پر سایہ فگن ہوتا۔ اس طرح غلامی کے زمانے میں جو انفرادیت اُن میں پیدا ہو چکی تھی، اُسے دور کر کے اجتماع میں رہنے کی صلاحیت اور استعداد اُن میں پیدا کی گئی۔ انفرادیت کی صورت لیے ہوئے انسان آپس میں لڑتے بھڑتے ہیں۔ غلامی کے زمانے میں اُن کی عادات ایسی ہی تھیں۔ یہاں انھیں اکٹھے رہنے کے طور طریقے سکھانے کا انتظام کیا گیا۔ کسی قوم کا اس طور پر اجتماعی زندگی کا خوگر ہونا' بہت بڑا انعام ہے، جو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے بنی اسرائیل پر ہوا۔

وَ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَ السَّلْوٰى ؕ: اجتماعی زندگی میں اس بات کی بھی ضرورت ہوتی ہے کہ کھانے پینے کا نظام افراد کی اجتماعی ضروریات کو پورا کرنے کے طور پر وجود میں آئے۔ انفرادی مفادات کے لیے ذخیرہ اندوزی، اجتماعی نظام کے لیے زہرِ قاتل ہے۔ بنی اسرائیل پر یہ بھی انعام ہوا کہ اُن کے کھانے پینے کی ضروریات کا اجتماعی نظام مَن وسلویٰ کی صورت میں کیا گیا۔ مَن وسلویٰ کی حقیقت بیان کرتے ہوئے حضرت شیخ الہندؒ لکھتے ہیں: ''مَـن'' ایک چیز تھی شیریں، دھنیے کے سے دانے، ترنجبین کے مشابہ، رات کو اوس میں برستے، لشکر کے گرد ڈھیر لگ جاتے۔ صبح کو ہر ایک اپنی حاجت کے موافق (وہاں سے) اٹھا لیتا۔ اور ''سَـلْوٰی'' ایک پرندہ ہے، جس کو بٹیر کہتے ہیں۔ شام کو لشکر کے گرد ہزاروں جمع ہو جاتے۔ اندھیرا ہوئے بعد پکڑ لاتے، کباب کر کے کھاتے۔ مدتوں تک یہی کھایا کیے''۔ اس طرح صحرا کی سادہ زندگی میں بنی اسرائیل کے پورے اجتماع کے لیے یکساں طور پر کھانے اور پینے کا نظام اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے بنایا گیا۔ اس صورت میں جو کچھ مَن وسلویٰ جمع ہوتا، ہر آدمی اپنی ضرورت اور حاجت کے مطابق اُس میں سے لے لیتا۔ حاجت سے زائد جمع کرنے کی ممانعت کی گئی تھی۔ گویا عدل وانصاف کا ایک اجتماعی نظام بنایا گیا، جس سے تمام لوگ مجموعی طور پر فیض یاب ہوتے رہیں۔

كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ؕ: اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی طرف سے اُن کے رزق کا انتظام کیا کہ تکلیف، مشقت اور گرمی سے بچاؤ کے لیے بادل کا انتظام، تاکہ امن سے رہیں اور کھانے پینے کے لیے مَن وسلویٰ کا انتظام، تاکہ بھوک اور پیاس کی مشقت سے بچیں۔ انھیں حکم دیا گیا کہ ہم نے یہ جو پاکیزہ رزق دیا ہے، اس کو کھاؤ پیو، اجتماعی طور پر برتو، لیکن ذخیرہ اندوزی اور سرمایہ پرستی میں مبتلا نہ ہو۔ حضرت شیخ الہندؒ لکھتے ہیں: ''اس لطیف ولذیذ غذا کو کھاؤ اور اس پر اکتفا کرو۔ نہ آگے کے لیے ذخیرہ جمع کر کے رکھو اور نہ دوسری غذا سے مبادلہ کی خواہش کرو''۔ انفرادی خواہشات کو پورا کرنے کے لیے ذخیرہ اندوزی کرنا بڑا ظلم ہے۔ اس سے اجتماعی زندگی کو شدید نقصان پہنچتا ہے۔ اس لیے اس سے منع کر دیا گیا۔ دوسرے یہ کہ اجتماعی تربیت سیکھنے کے لیے انسانی زندگی کی غذا سادہ ہو اور سب کے لیے ہو۔ انفرادی ذائقے اور لذت کے لیے مخصوص غذاؤں کا مطالبہ تربیتی حوالے سے انتہائی نقصان دہ ہے۔ فوجی اور عسکری زندگی میں عمدہ اور سادہ غذا ہی دشمن کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت پیدا کرتی ہے۔ جدوجہد کرنے والا ایک فرد عیش پسند غذاؤں کا عادی ہو جائے تو وہ اجتماعی اور عسکری حوالے سے ناکارہ ہو جاتا ہے۔

وَ مَا ظَلَمُوْنَا وَ لٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ: تربیت سے متعلق ان اجتماعی ہدایات کی بنی اسرائیل نے خلاف ورزی کی۔ اس طرح انھوں نے اپنے اوپر خود ظلم کیا۔ حضرت شیخ الہند لکھتے ہیں: ''اوّل ظلم یہ کیا کہ (مَن وسلویٰ) ذخیرہ کر کے رکھا تو گوشت سڑنا شروع ہو گیا۔ دوسرے (غذا کا) مبادلہ چاہا کہ مسور، گیہوں، ککڑی، پیاز وغیرہ ملے۔ جس سے طرح طرح کی تکلیف اور مشقت میں مبتلا ہوئے''۔ نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے: ''اگر بنی اسرائیل نہ ہوتے تو گوشت کبھی نہ سڑتا'' (بخاری: 3330)۔ گویا کہ اجتماعی زندگی سے بغاوت کے بنی اسرائیلی انداز کا اثر یہ ہے کہ آئندہ کے لیے ذخیرہ کیے ہوئے مال پر لعنت پڑنے لگی۔ آپؐ نے اس پر لعنت فرمائی ہے کہ: ''المحتکر ملعون'' (ذخیرہ اندوزی کرنے والا ملعون ہے)۔ (سنن ابن ماجہ)

اس طرح بنی اسرائیل نے خود اپنا نقصان کیا اور پورے طور پر اس اجتماعی نظام کو قبول نہیں کیا۔ اس آیتِ مبارکہ میں یہی بات واضح کی گئی ہے۔

www.rahimia.org

درسِ حدیث

از: مولانا ڈاکٹر محمد ناصر، جھنگ

عبودیت کا ثمر

عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَؓ، عَنِ النَّبِيِ ﷺ: "اِنَّ اللّٰهَ يَقُولُ: يَا ابْنَ آدَمَ تَفَرَّغْ لِعِبَادَتِى اَمْلَأْ صَدْرَكَ غِنًى، وَاَسُدُّ فَقْرَكَ، وَ اِنْ لَمْ تَفْعَلْ مَلَأْتُ صَدْرَكَ شُغْلًا وَلَمْ اَسُدَّ فَقْرَكَ". (مسند احمد: 5378)

(حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''بے شک اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''اے ابنِ آدم! میری عبادت کے لیے فارغ ہو جا۔ مَیں تیرے سینے کو مال داری سے بھر دوں گا۔ اور تیری محتاجگی کو سیدھا کر دوں گا۔ اگر تو نے اس طرح نہ کیا تو مَیں تیرے سینے کو مشغولیات سے بھر دوں گا۔ اور تیری محتاجگی کو دور نہیں کروں گا''۔)

انسان کی تخلیق کا بنیادی مقصد اللہ تعالیٰ کی عبودیت ہے اور عبودیت کا معنی ہے کہ انسان اپنے فکر و خیال، اپنی اِنفرادی، اجتماعی، قومی اور بین الاقوامی زندگی میں اس راہ پر چلنا شروع کرے جو اِسے پرودگارِ عالم نے بتلائی ہے۔ خود کو شریعت اور عقل سلیم کے تابع کر لے۔ انسان جب اپنے فکر و عمل کو اس راہ پر ڈال دیتا ہے تو عبودیت کے تقاضے پورے ہو جاتے ہیں۔

زیرِنظر حدیثِ قدسی میں حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ جب انسان اپنے آپ کو اللہ کے لیے یکسو کر کے عبودیت کی راہ پر آ جاتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ اس پر انعام فرماتے ہیں۔

انعاماتِ الٰہی کی دو نوعیتیں ہیں: پہلی یہ کہ اللہ اپنی طرف سے ہدایت اور رحمت سے یوں نوازتا ہے کہ انسان کا قلب گناہوں کی آلودگیوں، گرد و پیش کے بُرے اَثرات اور شیطانی اَثرات سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ بُرے خیالات ختم ہو کر اچھے خیالات جنم لینے لگتے ہیں۔ دل اللہ سے جڑ جاتا ہے۔ اس پر اللہ کی صفات کا رنگ چڑھ جاتا ہے، جس سے اس کے قلب کو سکون، اطمینان، راحت اور یقین کی کیفیت نصیب ہو جاتی ہے۔ یہ وہ دولت ہے، جسے حاصل کرنے کے لیے انبیائے کرامؑ، صحابہ کرامؓ اور اولیائے کرامؒ اپنی زندگیاں وقف کر دیتے ہیں۔

دوسرا انعام جو اللہ کی طرف سے انسان کو نصیب ہوتا ہے وہ غنا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: مَیں تیرے دل کو غنی کر دوں گا۔ اس کا ثمر یہ ہوگا کہ دُنیوی ضرورتیں پوری ہوں گی۔ اس کے وسائل، اسباب، ان کے حصول کا فہم اور ہمت اللہ تعالیٰ ارزاں فرمائیں گے۔ انسان کی دُنیوی ضروریات اور حاجات آسانی سے پوری ہو جائیں گی، جس سے اس کی تنگ دستی اور بھوک ختم ہوگی، دل مستغنی ہو جائے گا۔ اہم بات یہ کہ دنیا میں انہماک کے بجائے اسے وہ عقلِ سلیم ملے گی، جو اِسے اللہ سے غافل نہ ہونے دے گی۔ جس سے اس کو ظاہری و باطنی اطمینان، سکون اور خوشی نصیب ہوگی۔ یہی انسانی زندگی میں بیش قیمت چیز ہے۔ اسی لیے کہا گیا کہ "الغِنیٰ غنی النّفس" (حقیقی مال داری نفس کا مستغنی ہونا ہے)۔ اگر انسان عبودیتِ الٰہی سے غافل رہا تو پھر مذکورہ نعمتوں سے بھی محروم رہے گا۔

صحابہؓ کا ایمان افروز کردار

مولانا قاضی محمد یوسف، حسن ابدال

حضرت خبّاب بن ارت رضی اللہ عنہٗ

حضرت خبّاب بن ارت رضی اللہ عنہٗ عربی النسل ہیں۔ دورِ جاہلیت میں غلام بنا کر مکہ میں بیچ دیے گئے تھے۔ نسباً تمیمی، بنوخزاعہ کے غلام اور بنوعوف کے حلیف تھے۔ آپؓ پہلے ایمان لانے والوں میں سے ہیں۔ وہ خوش نصیب بزرگ ہیں، جو دعوتِ اسلام کے بالکل ابتدائی مراحل میں یعنی دارِ ارقم میں حضور اکرمؐ کے مرکز بنانے سے قبل ہی مشرف بہ اسلام ہوئے۔ حضرت خبابؓ ان صحابہ کرام میں سے ہیں جو رزقِ حلال کمانے میں ہر قسم کی مشقت اٹھاتے تھے۔ آپؓ لوہار کا پیشہ اختیار کیے ہوئے تھے۔ عاص بن وائل نے آپؓ سے کام کروایا اور اس کی مزدوری نہ دی۔ اس کے ذمے قرض ہو گیا تو وہ آپؓ کو تنگ کرتا کہ جب تک محمدؐ کا انکار نہ کرو تو قرض واپس نہ کروں گا۔ آپ نے فرمایا: ''ایسا تو ممکن نہیں!'' آپؓ کے اسلام قبول کرنے کے زمانے میں اسلام کا اظہار مکہ کے نظام میں ایسا سخت جرم تھا، جس کی سزا میں مال و دولت، ننگ و ناموس ہر چیز سے ہاتھ دھونا پڑتا تھا، لیکن حضرت خبابؓ نے اس کی بالکل پرواہ نہ کی اور علیٰ الاعلان اسلام کا اظہار کرنے والے چند افراد میں شامل ہوئے۔ آپؓ غلام تھے، جن کا کوئی بھی حامی و مددگار نہ تھا، اس لیے کفار نے آپؓ کو مشقِ ستم بنا لیا اور ان کو بڑی دردناک سزائیں دیتے تھے۔ ننگی پیٹھ کو دہکتے ہوئے انگاروں پر لٹا کر سینے پر ایک بھاری پتھر رکھ کر ایک آدمی اوپر سے مسلتا اور وہ اس وقت تک ان انگاروں پر کباب ہوتے رہتے، جب تک خود زخموں کی رطوبت آگ کو نہ بجھاتی، لیکن اس سختی کے باوجود آپؓ کی زبان کلمہ حق سے نہ پھرتی۔

چوں کہ مکی دور عدمِ تشدد کی پالیسی کا تھا، جس میں ضروری تھا کہ نظریۂ حق کی دعوت اور اس پر تربیت حاصل کرنی ہے۔ دشمن کی ہر اشتعال انگیزی کا جواب صبر و تحمل سے دینا ہے۔ طیش اور غصے میں نہیں آنا ہے۔ چناں چہ رحمۃ للعالمین اس کسمپرسی کی حالت میں حضرت خبابؓ کی تالیفِ قلب فرماتے اور ہمت دلاتے، لیکن ان کا آقا اتنا سنگ دل تھا کہ وہ ان کے لیے اتنا سہارا بھی نہ برداشت کر سکا اور اس کی سزا میں لوہا آگ میں تپا کر اس سے ان کا سر داغ دیا۔ بالآخر حضرت خبابؓ نے آپؐ سے کہا کہ: ''میرے لیے بارگاہِ الٰہی میں دعا فرمائیں کہ وہ مجھے اس عذاب سے نجات دے''۔ آپؐ نے دعا فرمائی کہ: ''خدایا! خباب کی مدد فرما''۔ ان سب مشکلات کے باوجود حضرت خبابؓ دینِ حق کے علوم و معارف سے آراستہ رہے۔

حضرت خبابؓ مدتوں نہایت صبر و استقلال کے ساتھ یہ تمام مصیبتیں جھیلتے رہے۔ پھر جب ہجرت کی اجازت ملی تو آپؓ ہجرت کر کے مدینہ آ گئے۔ یہ ہجرت تکلیف و مصائب کے خوف سے نہ کی تھی، بلکہ صرف اللہ کی رضامندی کے لیے تھی۔ مدینہ آنے کے بعد آپؐ نے ان میں اور خراش بن صمہؓ غلامِ تمیم کے درمیان مواخات کرا دی۔ آپؓ مدنی دور میں بھی تمام اجتماعی اور دینی خدمات انجام دیتے رہے، تمام غزوات میں شرکت کی اور فعال کردار ادا کرتے رہے۔

بقیہ: صفحہ 11 پر

www.rahimia.org

شذرات

مسلم دُنیا کو درپیش چیلنجز اور بیسویں صدی کی مسلم فکر

اس وقت مسلم دُنیا غم و غصے کی ایک خاص کیفیت سے دوچار ہے۔ اس کی وجہ فلسطین میں اسرائیل کی غیر انسانی اور وحشیانہ کارروائیاں ہیں۔ فلسطین میں قریب ایک صدی سے مقامی فلسطینی باشندوں سے روا رکھا جانے والا سلوک واقعی غیر انسانی ہے۔ اس پر ہر قوم اور ملت کے دردِ دل رکھنے والے انسان دُکھی اور پریشان ہیں۔ اس میں بھی کوئی دو رائے نہیں کہ یہ مسئلہ برطانوی استعمار کا پیدا کردہ ہے، مگر اس وقت ہمارے پیشِ نظر فلسطین سمیت دنیا بھر میں موجود مسلمان قیادتوں کو درپیش بحرانوں اور چیلنجز کی چند وجوہات اور اسباب ہیں، جنھیں چنداں اہمیت نہیں دی جاتی، بلکہ ان اسباب کو بار بار دُہرایا جاتا ہے۔ آخر کیا وجہ ہے کہ یمن، فلسطین، افغانستان، عراق اور لیبیا سمیت مسلم جغرافیے کے مختلف خطے آگ و خون کے دریا سے گزر رہے ہیں، جب کہ مجموعی طور پر مسلم دُنیا اپنے اپنے ملکوں میں اندرونی طور پر مختلف سماجی اور معاشرتی بحرانوں کا شکار ہے۔

اس صورتِ حال پر جذباتی ہو کر کسی ملک اور قوم کے خلاف محض جذباتی نعرے لگا لینا یا انھیں اپنے مسائل کا ذمہ دار قرار دے کر عصری تقاضوں اور اپنی ذمہ داریوں کو محسوس نہ کرنا' مسائل کی تفہیم اور درپیش چیلنجز کا حل تلاش کرنے میں سب سے بڑی رُکاوٹ ہے۔ اب ہمیں مسلم معاشروں کی جڑیں کھوکھلی کر دینے والے حقیقی اسباب و علل پر بڑی سنجیدگی سے غور و فکر کی ضرورت ہے، تاکہ ان اسباب کے سدِباب کے لیے قوم و ملت کو کوئی لائحۂ عمل دیا جا سکے۔

ہماری دانست میں مسلم معاشروں کا پہلا چیلنج اور بحران ایک خاص قسم کے ردِعمل کا شکار ہو کر شدت پسندی کی راہ پر چل نکلنا ہے۔ ان کی قیادتوں نے اس تشدد کو ایک عرصے سے جہاد کا نام دے رکھا ہے۔ مذہبی قیادتوں نے معمولی معاوضے پر ریاستوں کو اس کے حق میں مذہبی دلائل فراہم کیے ہیں۔ ریاستوں اور دانش وروں کے باہمی اشتراک نے عوام کو اس ''جہاد'' کے ذریعے اسلام کے عالمی غلبے کا خواب دکھا رکھا ہے۔ اسے ہم نظریے کا بحران کہہ سکتے ہیں، جس نے دین کی سُوءِ فہم تعبیر (Misunderstood interpretation of religion) سے جنم لیا ہے جس کا خمیر 20 ویں صدی کی بعض اسلامی شخصیات کے نظریات سے تیار ہوا ہے۔ اس کی بنیاد انھوں نے اسلام کے دورِ عروج کی بعض اصطلاحات کو درست تناظر میں نہ سمجھنے کی وجہ سے رکھی۔

حقیقت یہ ہے کہ اسی دور ہی کے باشعور علما کی جماعت نے استعمار سے آزادی کے لیے عدمِ تشدد کا راستہ اختیار کیا اور بعد از آزادی اسلام کی انسان دوست فکر کے تناظر میں قومی جمہوری فکر پر ریاست کے خدوخال کو واضح کیا، جب کہ اوّل الذکر طبقے کے ہاں اسلام اور قومیت ایک جگہ جمع نہ ہو سکے اور وہ ہمیشہ اسلام اور قومیت کو دو الگ الگ حقیقتوں کے طور پر دیکھتے رہے۔ اس سے ہمارے ہاں بہت سے فکری مغالطوں نے جنم لیا۔ ان فکری مغالطوں کی وجہ سے مسلم معاشروں میں جدوجہد کی درست سمت ہی کا تعین مشکل ہو گیا اور ہمارا مخلص نوجوان بے شعوری کے سبب تشدد کی بنیاد پر کھڑی کی گئی تحریکوں کا حصہ بن کر بے منزل راستوں پر چلتا رہا۔ چوں کہ یہ راستہ اپنے نتیجے کے اعتبار سے ہم سے زیادہ ہمارے دشمن کے لیے مفید تھا، اس لیے وہ خفیہ طور پر ایسی تحریکوں کو معاونت بھی فراہم کرتا رہا۔ اسی وجہ سے طالبان، داعش، بوکوحرام اور حماس جیسی تحریکیں مسلم معاشروں میں قومی اور جمہوری طرزِ فکر کے حامل طبقوں کی حمایت تو حاصل نہ کر سکیں، لیکن ایک خاص حکمتِ عملی سے مسلمان معاشروں کا چہرہ انھیں تحریکوں کو سمجھا جانے لگا۔ مرکزی دھارے کے ذرائع ابلاغ (mainstream media) بھی انھیں کو کوریج دیتے اور دکھاتے ہیں۔ دوسرے علمائے حق کے مؤقف کو ثانوی حیثیت دے کر پسِ پشت ڈال دیا گیا ہے۔

یہ کھیل گزشتہ کئی دہائیوں سے جاری ہے۔ یوں شدت پسند بیانیے کو صفِ اوّل (front foot) پر جگہ دے کر اسلام کی انسانیت دوست فکر کو پیچھے دھکیلنے کی سعیٔ نامشکور جاری ہے۔ اس سے مسلم معاشروں میں ایک ایسی فضا تیار کر لی گئی ہے کہ جب بھی کشمیر، فلسطین، یمن اور مشرقِ وسطیٰ میں حالات خراب ہوتے ہیں تو یہی شدت پسند بیانیہ پوری فضا کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے۔ عوام کوئی گہری شعوری بات اور ان خطوں میں موجود ان سلگتے مسائل کے پسِ منظر اور اس کے حقیقی حل کو سننے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔

مسلم دنیا کو لاحق اس شدت پسند بیانیے کے مرض کا پسِ منظر بعض لوگ اسلام کی بنیادی فکر اور نظریے میں ڈھونڈنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ وہ لوگ برصغیر میں استعمار کے خلاف علمائے حق کی جدوجہد سے موجودہ شدت پسند بیانیے کو جا ملاتے ہیں، حال آں کہ یہ موجودہ شدت پسند بیانیہ اس معتدل قومی اور ملّی فکر کے علی الرغم تیار کیا گیا ہے۔ اس کی بنیاد اس دور میں انھیں علمائے حق کے مقابلے پر کھڑے طبقے کی فکر پر ہے، جو ایک ہاتھ میں قرآن اور دوسرے ہاتھ میں تلوار لے کر پوری دنیا کو فتح کرنے کی باتیں کیا کرتا تھا، جب کہ معتدل اور انسان دوست فکر کے ترجمان یہ علما اس دور میں بھی غیر مسلم ابنائے وطن کو اپنے ساتھ لے کر ایک اجنبی قابض طبقے کے خلاف قومی جدوجہدِ آزادی میں مصروفِ کار رہے تھے اور بعد از آزادی ایک قومی جمہوری ریاست اور اس کے حقیقی تقاضوں کو پورا کرنے پر یقین رکھتے تھے۔ لیکن مسلمان معاشرے میں موجود رومانیت پسند طبیعتوں نے اپنی الگ راہ لی اور دنیا میں اسلام کے نام پر شدت پسند بیانیے کے ترجمان کے طور پر سامنے آئے۔ پھر جو کچھ ہوا، وہ ایک پوری تاریخ ہے۔

اگرچہ اب پرائیویٹ جہادی بیانیے کو اپنی مصلحتوں کے پیشِ نظر پسِ منظر میں لے جایا جا رہا ہے، لیکن شدت پسندی اپنی جگہ پر موجود ہے، جس نے ماضی میں جہاد کے پرائیویٹ عمل کو جنم دیا تھا۔ نہ جانے بڑی سرکار کی ضرورتیں اور تقاضے کب دوبارہ اسے اسلام کا تقاضا بنا کر پھر سے اپنے نہاں خانے سے نکال لائیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ اس فکر اور بیانیے کے پسِ منظر کو پیشِ نظر رکھ کر اور اس کی کسی بھی نئی شکل کے مضمرات سے واقف رہا جائے۔

مدیر

www.rahimia.org

تمام نیکیوں کا بنیادی اساسی اُصول؛ توحیدِ الٰہی

(2)

مترجم: مفتی عبدالخالق آزادرائے پوری

امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ "حُجّۃُ اللّٰہِ البالِغہ" میں فرماتے ہیں:

[توحید کے ان آخری دو مرتبوں کی مخالف جماعتیں]

"... توحید کے ان آخری دونوں مرتبوں (1۔ آسمانوں اور زمینوں کی حکمرانی 2۔ اور اللہ کے علاوہ کوئی اَور عبادت کا مستحق نہیں) کے بارے میں کچھ انسانی جماعتیں اختلاف رکھتی ہیں۔ ان جماعتوں کا تجزیہ کیا جائے تو اُن کے بڑے تین فرقے ہیں:

(1) نجومی: یہ لوگ کہتے ہیں کہ ستارے عبادت کے مستحق ہیں۔ اُن کی عبادت دنیا میں نفع دیتی ہے۔ اپنی حاجتیں ان ستاروں کے سامنے پیش کرنا برحق ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے تحقیق کی ہے کہ:

(الف) انسان کی نیک بختی اور بدبختی، انسان کی صحت اور بیماری اور یومیہ ہونے والے حوادث وواقعات میں ان ستاروں کا بڑا اثر ہوتا ہے۔

(ب) ان ستاروں میں عقل رکھنے والی روحیں کام کرتی ہیں، جو اِن ستاروں کی حرکات وسکنات کو کنٹرول کرتی ہیں۔ یہ روحیں اپنی عبادت کرنے والوں سے غافل نہیں ہیں۔

اس طرح انھوں نے ستاروں کے نام پر بڑی عمارتیں تعمیر کیں اور اُن کی عبادت کی۔

(2) مشرکین: یہ لوگ کائنات کے بڑے بڑے کاموں کے عالم گیر نظم ونسق کے حوالے سے تو مسلمانوں کے موافق ہیں اور اس میں بھی متفق ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا قطعی اور حتمی حکم صحیح ہے۔ وہ اللہ کے سوا کسی اَور کو حکم دینے کا اختیار نہیں دیتے، وہ باقی درجِ ذیل اُمور میں مسلمانوں سے موافقت نہیں رکھتے:

(الف) ان کا کہنا ہے کہ اُن سے پہلے ایسے نیک لوگ گزرے ہیں، جنھوں نے اللہ کی عبادت اور اُس کا قرب حاصل کیا تو اللہ نے خود انھیں اُلوہیت کا لباس پہنا دیا۔ اس طرح وہ نیک لوگ باقی مخلوق میں سے خود عبادت کے مستحق بن گئے۔ بالکل اسی طرح کہ کوئی بندہ کسی ملک کے شہنشاہ کی بہت اچھی طرح خدمت کرے تو شہنشاہ ایسے خدمت گار کو کسی علاقے کا بادشاہ بنا دیتا ہے اور اپنے ماتحت ریاست کے شہروں میں سے کسی ایک شہر کا نظم ونسق اور حکمرانی اُس کے سپرد کر دیتا ہے۔ اب اُس شہر والوں پر لازمی ہے کہ اپنے اوپر مقرر کیے ہوئے بادشاہ کی فرماں برداری اور اطاعت کریں۔

(ب) وہ کہتے ہیں کہ اللہ کی عبادت اُس وقت تک قابلِ قبول نہیں ہوتی، جب تک کہ اُن نیک بندوں کی عبادت نہ کی جائے، بلکہ حق تعالیٰ بہت بلند درجے پر ہے۔ اس کے قرب کے لیے صرف اس کی عبادت فائدہ نہیں دے گی، بلکہ ان نیک بندوں کی عبادت کرنا لازمی ہے، تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لیے سفارش کریں۔

(ج) ان کا کہنا ہے کہ اللہ کے یہ نیک بندے سنتے بھی ہیں، دیکھتے بھی ہیں اور اپنے عبادت کرنے والوں کی سفارش بھی کرتے ہیں۔ وہی اُن کے کاموں کا نظم ونسق بھی چلاتے ہیں اور ان کی مدد کرتے ہیں۔

چناں چہ انھوں نے ان نیک بندوں کے نام پر پتھر گھڑ لیے اور اپنی توجہ کا قبلہ وکعبہ ان پتھروں کو بنا لیا۔ اس کے بعد آنے والی نااہل نسلوں نے اُن نیک بندوں کی شکل و صورت اور ان کے بنائے ہوئے پتھروں کے درمیان کوئی فرق نہیں سمجھا، بلکہ انھوں نے براہِ راست انھی پتھروں کو اپنا معبود بنا لیا۔

اس لیے اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے اس شرک اور کفر کو درجِ ذیل طریقوں سے رد کیا:

(الف) کبھی اس بات پر تنبیہ کی کہ حکمرانی اور بادشاہت صرف اللہ تبارک وتعالیٰ ہی کی ذات کے لیے مخصوص ہے۔ (ب) کبھی یہ بات واضح کی کہ یہ پتھر کے بنے ہوئے بت جمادات میں سے ہیں۔ چناں چہ اللہ تعالیٰ نے ان سے قرآن حکیم میں درجِ ذیل سوالات کیے: (1) "کیا اُن کے پاؤں ہیں، جن سے وہ چلتے ہیں؟ (2) کیا ان کے ہاتھ ہیں، جن سے یہ پکڑتے ہیں؟ (3) کیا ان کی آنکھیں ہیں، جن سے یہ دیکھتے ہیں؟ (4) کیا ان کے کان ہیں، جن سے یہ سنتے ہیں؟" (الاعراف:95)

3۔ نصرانی: یہ کہتے ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو اللہ کا قرب اور باقی مخلوق پر برتری حاصل ہے۔ پس یہ مناسب نہیں ہے کہ انھیں "عبد" (اللہ کا غلام) کہا جائے اور دوسرے انسانوں کے برابر قرار دیا جائے۔ اس لیے کہ یہ اُن کے ساتھ بے ادبی ہے اور ان کو اللہ سے جو قرب حاصل ہے، اُسے نظرانداز کرنا ہے۔

(الف) پھر بعض نصرانیوں نے اس خصوصیت کی تعبیر کرتے ہوئے اُن کا نام "اِبنُ اللّٰہ" (اللہ کا بیٹا) قرار دے دیا۔ اس بات کو دیکھتے ہوئے کہ باپ اپنے بیٹے پر رحم کرتا ہے اور اپنی نگاہوں کے سامنے اُس کی تربیت کرتا ہے اور وہ غلاموں کے مقابلے پر بلند تر ہوتا ہے۔ چناں چہ حضرت مسیح علیہ السلام کو ابن اللہ کہنا زیادہ بہتر ہے۔

(ب) بعض نصرانیوں نے حضرت عیسیٰؑ کا نام "اللہ" رکھ دیا۔ اس بات کو دیکھتے ہوئے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ حضرت عیسیٰؑ کی ذات میں حلول کر گیا ہے۔ وہ اُن کے وجود میں داخل ہو گیا ہے۔ اسی لیے حضرت مسیحؑ سے ایسی کرامات اور آثار ظاہر ہوتے ہیں، جو کسی بشرِ انسانی سے ظاہر ہونا ممکن نہیں۔ مثلاً مُردوں کو زندہ کرنا، پرندے بنا کر اُڑانا۔ اس لیے اُن کا کلام 'اللہ کا کلام ہے اور اُن کی عبادت 'اللہ کی عبادت ہے۔

ان کے بعد ان کی نااہل اولادوں نے حضرت مسیحؑ کے اس نام کی اصل وجہ کو نہیں سمجھا اور انھوں نے حضرت عیسیٰؑ کو اللہ کا حقیقی بیٹا بنا دیا۔ یا انھوں نے یہ گمان کر لیا کہ حضرت مسیحؑ تمام پہلوؤں سے خود اللہ ہیں۔

اسی لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کے اس غلط فکر کا درجِ ذیل طریقوں سے رد کیا:

(1) کبھی یہ حقیقت بتلائی کہ اللہ کی تو کوئی بیوی ہی نہیں ہے (اس کا بیٹا کیسے ہو گیا؟)۔ (الانعام:101)

(2) کبھی یہ حقیقت واضح کی کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمینوں کو بغیر کسی مادے کے پیدا کرنے والا ہے۔ اور اللہ کے حکم کا معاملہ یہ ہے کہ جب وہ کسی کام کا ارادہ کرتا ہے تو وہ "کُنْ" کہتا ہے تو وہ کام ہو جاتا ہے۔ (البقرہ:17-116)

بقیہ: صفحہ 11 پر

www.rahimia.org

تاریخ اسلام کی ناقابل فراموش واقعات

مفتی محمد اشرف عاطف، لاہور

یورپ میں آزاد اُمَوی ریاست کے بانی

عبدالرحمٰن الداخل 2

عبدالرحمٰن الداخل ۱۳۸ھ / 756ء سے ۱۷۲ھ / 788ء تک اندلس کے حکمراں رہے۔ وہ 731ء میں دمشق میں پیدا ہوئے اور 30/ستمبر 788ء میں ان کا انتقال ہوگیا۔ وہ 25 سال کی عمر میں اندلس کے حکمران بنے اور تقریباً 32 سال تک نہایت کامیابی کے ساتھ حکمرانی کی۔ ملک کا انتظام وانصرام عمدہ طریقے سے چلایا۔ عوام کی خوش حالی کی طرف ان کی توجہ سب کاموں سے زیادہ تھی۔ وہ تمام اسباب بروئے کار لائے گئے، جن سے عوام کو امن وامان اور معاشی ترقی حاصل ہو۔ امن وامان کے قیام کے لیے مقامی اُمرا کی بغاوتوں کو فرو کیا۔ فرانس کے بادشاہ شارلیمان کا حملہ پسپا کیا۔ علم وعمل کی وہ شمعیں روشن کیں، جن سے یورپ کا اکثر حصہ مستفید ہوا۔ اندلس کی سرزمین علمی تاریخ میں بڑی زرخیز ثابت ہوئی۔ وہ مردم خیزی میں کسی بھی طرح بغداد اور دمشق سے کم نہیں تھی۔ اندلس کی کوکھ سے جن عظیم اصحابِ علم وفضل اور سائنس دانوں نے جنم لیا، انھیں کا کسبِ کمال تھا جس کی بدولت قرطبہ جیسا عظیم شہر رشکِ فلک بنا۔ اندلس کی تمدنی ترقی کے پیچھے جن اہلِ علم کا ہاتھ تھا، وہ قدیم وجدید دونوں علوم سے آراستہ تھے۔ دینی غلبے اور دُنیوی ترقی کے لیے جدید وقدیم کا حسین امتزاج ضروری ہے۔

حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ فرماتے ہیں: ''اسلام باتوں سے نہیں قائم ہوسکتا۔ اگر دنیا کے بڑے ملکوں کے دوش بہ دوش کھڑے ہونا ہے تو جدید علوم سیکھنے ہوں گے۔ جب کوئی ملک اپنے پاؤں پر کھڑا نہیں ہوتا، تو وہ نہ دین کی خدمت کرسکتا ہے، نہ دنیا کی''۔ عبدالرحمٰن الداخل عالم فاضل ہونے کے ساتھ ساتھ بہترین منتظم اور باتدبیر حکمران تھا۔ اس نے یہاں قلعوں اور شہروں کی فصیلیں تعمیر کروائیں۔ مسجد قرطبہ کی تعمیر اس کا عظیم کارنامہ ہے، مگر آج اس میں نماز پڑھنے کی اجازت نہیں۔ اسی عمارت کو دیکھ کر علامہ اقبال نے اپنی مشہور نظم ''مسجد قرطبہ'' لکھی تھی ؎

اے حرمِ قرطبہ عشق سے تیرا وجود
عشق سراپا دوام جس میں نہیں رفت و بود
رنگ ہو یا خشت و سنگ، چنگ ہو یا حرف و صورت
معجزۂ فن کی ہے خونِ جگر سے نمود

عبدالرحمٰن الداخل نے اندلس کی سرزمین پر پہلا کھجور کا درخت لگایا۔ اس درخت کو دیکھ کر اس کو اپنا وطن دمشق یاد آیا تو اس نے عربی میں نظم کہی، جس کا ترجمہ یوں کیا گیا ہے۔ دو شعر ملاحظہ فرمایئے ؎

میری آنکھ کا نور ہے تُو — میرے دل کا سرور ہے تُو
اپنی وادی سے دور ہوں میں — میرے لیے نخلِ طور ہے تُو

اندلس کے مشاہیرِ علم وفضل اور سائنس دان اگلی قسط میں ان شاءاللہ۔

ملکی معیشت

محمد کاشف شریف، راولپنڈی

خودمختار مرکزی بینک؟

غلامی کے بھی کئی ڈھنگ ہوتے ہیں۔ ضروری نہیں ہے کہ کسی کو قید ہی کرلیا جائے تو وہ غلام قرار پائے گا۔ گزشتہ اڑھائی سو سال میں جہاں ہمارے آقاؤں نے اجارہ داری اور آدابِ حکمرانی سیکھے ہیں، وہاں ہم جیسی اقوام نے آدابِ غلامی میں ترقی کی ہے۔ پہلے براہِ راست حکمرانی اور وسائل پر قبضے کا دور تھا۔ پھر پوری دنیا میں آزادی کی تحریکات نے اس قسم کی حکمرانی کا ناطقہ بند کردیا۔ اس کے بعد سے بالواسطہ حکمرانی کا انداز پنپ رہا ہے۔ جدید دور میں تو غلام اقوام کو محدود ترقی اور کامرانی سے بھی ہم کنار کردیا گیا ہے۔ پاکستان کا اندازِ غلامی اب بدل کر نئے دور میں داخل ہورہا ہے۔ دنیا بڑی تیزی سے عالمی اسٹیبلشمنٹ کی گرفت میں جارہی ہے۔ ایسے میں پرانا طرزِ حکمرانی دراصل عالمی نظام کے لیے سوٹ ایبل نہیں رہا۔ وہ قومی نظام جو عالمی سامراجی نظام کے تقاضے پورا نہیں کرسکتا، اب زیادہ دیر چل نہیں سکتا۔ ہمارے جیسے ممالک میں تو صدر یا وزیراعظم دراصل طاقت وقوت کا منبع تصور کیے جاتے ہیں۔ وجہ یہ ہے ہم آج تک نوابی دور سے نہیں نکلے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم اپنی مرکزی حکومتوں پر ان گناہوں کا بار بھی ڈال دیتے ہیں، جو صوبائی حکومتوں نے کیے ہوتے ہیں، لیکن ترقی یافتہ دنیا میں نظام کو چلانے کا انداز ادارہ جاتی ہوچکا ہے۔ چناں چہ جس طریقے سے انسانی جسم کام کرتا ہے، جہاں کئی ضروری اُمور جسم کے اعضا خودکار طریقے پر بروئے کار لے آتے ہیں اور ان کے مخصوص کاموں میں انسان کا کوئی اختیار نہیں ہوتا، اسی طرح آج کے دور میں عالمی اسٹیبلشمنٹ کے تابع مملکت کے کچھ امور ایسے ہوتے ہیں، جن میں مقامی حکمرانوں کو کوئی دخل نہیں ہوتا اور ان ضروری حکومتی اُمور کو اپنے مفاد کی قانون سازی کے ذریعے مستقل بنیادوں پر کام جاری رکھنے کا راستہ ہموار کیا جاتا ہے، تاکہ وسیع تر عالمی مفاد جیسے لین دین، تجارت، تعلیم و تربیت اور رابطہ وغیرہ جیسے اُمور کسی حکومت کے آنے اور جانے سے رُکنے نہ پائیں۔

آئی ایم ایف کے اکیس مالیاتی پروگراموں کے دوران ان عالمی اداروں نے تدریجاً یہی کیا ہے۔ چناں چہ ایف بی آر، اسٹیٹ بینک، نادرا، ایف آئی اے، پاسپورٹ آفس وغیرہ کو ان عالمی مالیاتی اداروں کی معاونت سے تدریجاً جدید خطوط پر استوار کیا جارہا ہے۔ یہ ایک نہ رُکنے والا سلسلہ ہے۔ کروڑوں ڈالر کی امداد برائے شعبہ جاتی درستگی اور پھر FATF کی تلوار سمیت یہ ادارے مل کر ہماری جدید غلامی کے راستے ہموار کررہے ہیں۔ سیاسی حکومتیں اپنی لوٹ مار اور عوامی سیاسی ایجنڈے کو پورا کرنے کے لیے عالمی اداروں سے بے پناہ قرض لیتی رہی ہیں۔ انھوں نے اس پر بھی بس نہیں کیا، بلکہ مقامی بینکوں، اسٹیٹ بینک سے قرض لینے کے ریکارڈ توڑ دیے۔ اس سے بھی کام نہ چلا تو نوٹ چھاپ لینے کے عمل کی انتہا کردی گئی۔ اس کا نتیجہ مقامی سرمایہ دار اور مقامی منڈیوں پر براجمان ملٹی نیشنل کمپنیوں نے سیاسی صف بندی کا حصہ بن کر بھگتا۔ اب ان سرمایہ داروں کو مزید بڑے کام کرنے ہیں اور انھیں مقامی نظام اور ذیلی صف بندیوں میں نہیں الجھنا۔ بقیہ: صفحہ 11 پر

www.rahimia.org

عالمی منظر نامہ

مرزا محمد رمضان، راولپنڈی

امریکی اِنخلا اور افغانستان کی تعمیرِ نو

اقوامِ عالَم میں ایشیا ایک خاص اہمیت کا حامل ہے۔ وسائل اور رقبے کے اعتبار سے تو سب سے بڑا ہے ہی، لیکن جغرافیائی محلِ وقوع کے اعتبار سے بھی قوموں کی توجہ کا مرکز رہا ہے۔ گرم پانیوں کے باعث تجارتی قافلوں کے لیے جنوبی ایشیا پُرسکون گزرگاہ تھا۔ صدیوں سے تجارتی قافلے اسی خطے سے ایشیا کو سامانِ تجارت فراہم کیا کرتے تھے۔ تجارتی مفادات کے باعث دوسری اقوام کے لیے یہاں کا جغرافیا اور محلِ وقوع بھی اہمیت کا باعث بن گیا۔ اگلے دور میں جب معاشی مفادات نے نظاموں کی شکل اختیار کی تو یہ خطہ پھر نظاموں کے ٹکراؤ کے سبب بالا دست اقوام کے درمیان تنازعے کا مرکز بن گیا۔ تزویراتی مفادات کے ٹکراؤ نے پورے خطے کو جنگ میں دھکیل دیا۔ 80ء کی پوری دہائی جہاد کے نام پر قتل و غارت جیسے فساد میں گزر گئی۔ پھر موجودہ صدی کے آغاز نے جنگ و جدل کا ایک نیا سامان پیدا کر دیا، جو آج بھی جاری ہے۔ اس فساد کے باعث بے گناہ انسانیت کے خون سے پورے ایشیا کا سرسبز خطہ سُرخ ہوگیا۔ خطے کا امن عنقا ہوگیا۔ علاقائی قوتیں اپنے معروضی حالات کے باعث اس وقت تو جنگ روکنے میں ناکام رہیں، البتہ اس تجربے سے انھیں بہت کچھ سیکھنے کو ملا، جس کے باعث آج وہ اس قضیے کو نمٹانے میں مصروف دکھائی دیتے ہیں۔

ٹرائیبون کی یکم/اپریل 2021ء کی رپورٹ کے مطابق روسی وزیرِ خارجہ سرگئی لاروف کا ایشیا کے دورے پر نکلنا اصل میں امریکا کا افغانستان سے دوحہ مذاکرات کے نتیجے میں طے شدہ شیڈول کا حصہ ہے۔ پہلے مرحلے میں وہ دو روزہ دورے پر 5/تا 6/اپریل کو دہلی پہنچے تھے۔ اگلے دو روز کے لیے 7/تا 8/اپریل کو اسلام آباد کا دورہ کیا۔ پرنٹ نیوز ایجنسی کی 7/اپریل 2021 کی رپورٹ کے مطابق اس سے قبل روسی وزیرِ خارجہ پاکستان کی وزیرِ خارجہ حنا ربانی کھر کی درخواست پر 2/اکتوبر 2012ء کو پاکستان کا دورہ کر چکے ہیں۔ روسی سفیر کے ہمراہ خصوصی معاون برائے افغانستان ضمیر کابلوف تھے۔ پاکستان میں مذاکرات کے دوران باہمی دلچسپی کے امور کے علاوہ معاشی تعاون اور دہشت گردی کے سدِباب کے اقدامات بھی زیرِ بحث لائے گئے۔ افغانستان کے لیے خصوصی نمائندے کا ساتھ ہونا اس بات کی علامت تھا کہ دورے کا بنیادی مقصد امریکی فوجوں کے افغانستان سے انخلا کے بعد خطے میں استحکام پیدا کرنے کے لیے لائحۂ عمل ترتیب دینا ہے۔

اس وقت مسئلۂ افغانستان کے حوالے سے درجِ ذیل ممالک فریق ہیں: پاکستان، ہندوستان، روس، چین اور امریکا۔ افغانستان کا خطہ گزشتہ 40 سال سے آگ کی لپیٹ میں ہے۔ اس آگ کی وجہ سے اردگرد کے تمام ممالک جھلسے ہوئے ہیں۔ امریکا کی تاریخ بتاتی ہے کہ جہاں بھی وہ اُترا ہے، اس نے جمہوریت کے نام پر ملکوں کے پورے سماجی ڈھانچے کو مَسل کے رکھ دیا ہے۔ گویا اس کا کسی خطے میں اُترنا خوف و ہراس، قتل و غارت، دہشت گردی، انتہا پسندی اور غنڈہ گردی جیسی لعنتوں کا پیدا ہونا لازمی امر ہے۔ کراچی کاروباری اعتبار سے پاکستان کا ہب (Hub) تھا۔ علاقے میں دہشت گردی کو پروان چڑھا کر سارا سرمایہ سمندر پار منتقل کر دیا گیا۔ بچے ماندے کاروبار پر غیر ملکی قومیں مسلط ہوگئیں۔ جس کے باعث معاشرتی ڈھانچہ اپنی اصل شناخت کھو چکا ہے۔ معاشرتی اضمحلال نے اَخلاقی اقدار تباہ کر دیں۔ قوموں کی ہجرت کے باعث خطہ ابھی جاں بر نہیں ہوا تھا کہ افغانستان میں جنگ پھوٹ جانے سے 27 لاکھ مہاجرین کی یلغار نے پاکستان کے داخلی امن کو داؤ پر لگا دیا۔ چالیس سال کے طویل عرصے میں وہ مہاجر آج سوا4 کروڑ بن چکے ہیں۔ اسی امریکی غلبے نے پہلے مشرقِ وسطیٰ میں آگ لگائی۔ پھر ویت نام میں قتل و غارت کا بازار گرم کیا۔ وہاں سے ذلت آمیز شکست کھانے کے بعد ناکامیوں اور نامرادیوں کی لاش کندھوں پر اٹھائے اگلا محاذ افغانستان میں کھول دیا۔ قتلِ انسانی کے ناحق خون سے اپنے آلودہ دامن کو مزید داغدار کرنے کے بعد اب اگلی مار کے لیے پر تول رہا ہے۔ سابق امریکی صدر کے مطابق یکم/مئی 2021ء کو اسے اپنی فوجوں کو نکالنا تھا، جب کہ حالیہ صدر کے بہ قول اب ہم ستمبر 2021ء تک اپنی فوجیں نکال لیں گے۔ شیطان اپنی شیطنت سے باز نہیں آتا۔ وعدے نبھانا ان کی سرشت میں ہی شامل نہیں ہے۔

جنگ میں سب سے زیادہ نقصان پاکستان کے بعد سوویت یونین کا ہوا تھا۔ انسانی جانوں اور مال و متاع کے علاوہ اس کی سیاسی ساکھ تباہ ہوگئی۔ اسے عالمی کردار سے پیچھے ہٹنا پڑا۔ اس کا سیاسی اتحاد منتشر ہوگیا۔ قوموں کے اجتماع سے تو پیچھے ہٹ گیا، البتہ سلامتی کونسل میں اپنی حیثیت برقرار رکھنے میں کامیاب رہا۔ پیچھے ہٹنے سے اسے بے پناہ نقصان کا سامنا کرنا پڑا۔ مشرقِ وسطیٰ کے بہت سے ممالک جو عالمی سیاست میں اس کے قریبی حلقوں میں شمار ہوتے تھے، امریکا نے نہ صرف ان کے تمام وسائل لوٹ لیے بلکہ انھیں چن چن کر گاجر مولی کی طرح کاٹ کر رکھ دیا۔ سارا نقصان عالمی طاقت کے توازن میں بگاڑ پیدا ہونے سے ہوا تھا۔

چین خطے کا بہت اہم اور معاشی طور پر مضبوط ملک ہے۔ ایشیا میں بالخصوص اور اقوامِ عالم میں بالعموم امن کے قیام کے بغیر سیاسی استحکام اور معاشی ترقی کا پہیہ نہیں چل سکتا۔ سامراج نے بھرپور کوشش کی کہ ایشیا کو مستقل بدامنی کا شکار رکھا جائے۔ چھوٹے چھوٹے ملکوں پر جنگ مسلط رکھنے سے وہاں کے وسائل کو لوٹنے میں تو کامیاب ہوگیا، لیکن خطے میں مجموعی طور پر جنگی ماحول پروان چڑھانے میں ناکام رہا۔ بدامنی سے تجارت تباہ ہوجاتی ہے، جب کہ چین کا معاشی ایجنڈا امن میں ہی فروغ پا سکتا۔ ایشیائی قوموں نے امریکی دہشت گردی کی حکمتِ عملی کو کامیاب نہیں ہونے دیا۔ گویا یہاں امریکا ناکام ہوگیا۔

ہندوستان اس خطے کا اہم ملک ہے۔ اگرچہ جتنی بڑی سرحد پاکستان کی افغانستان کے ساتھ لگتی ہے، ہندوستان ویسی صورتِ حال کا حامل تو نہیں ہے، لیکن حالیہ بی جے پی حکومت کا امریکی حلقوں کے قریب جانا سامراج کی دہائیوں پر مشتمل فرقہ پرستی اور انتہا پسندی جیسی سازشوں کے نتائج دکھائی دیتے ہیں۔ کانگرس نے ہند کا تأثر ایک ترقی پسند سماج کے طور پر کروایا تھا، جسے موجودہ حکومت نے یکسر بدل کر رکھ دیا ہے۔ کسانوں کی حالیہ احتجاجی تحریک نے تو اس سازش کو مزید بے نقاب کر دیا ہے۔ علاقائی طاقتوں کی کوشش ہے کہ بھارت کو علاقائی کلب کا حصہ بنایا جائے، جس میں روس، ہند اور چین شامل ہوں۔ اس کلب کے قیام سے ایشیا دنیا میں سب سے طاقت ور قوت بن کر اُبھرے گا۔ اس سے نہ صرف ایشیا مضبوط ہوگا، بلکہ پوری دنیا میں استعماری قوتوں کا بہترین تدارک ہو سکے ہوگا۔ عالمی امن کو لاحق خطرات ماند پڑ جائیں گے۔ روسی وزیرِ خارجہ کا حالیہ دورہ بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی تھی۔

بقیہ: ص 12 پر

www.rahimia.org

خطبات و بیانات

رپورٹ: سیّد نفیس مبارک ہمدانی، لاہور

قرآن حکیم ایک امانت ہے

19 / مارچ 2021ء کو حضرت اقدس مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری مدظلہٗ نے جامعہ خدیجۃُ الکبریٰ بورے والا میں جمعۃ المبارک کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''معزز دوستو! اللہ تبارک وتعالیٰ نے کتابِ مقدس قرآن حکیم کو حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذاتِ اقدس پر نازل کیا ہے۔ یہ اللہ کی ایک امانت ہے، جو نبی اکرمؐ کے سپرد کی گئی ہے۔ آپؐ نے یہ امانت اُمتِ محمدیہ کے حوالے کی ہے۔ امانت کی ذمہ داری یہ ہوتی ہے کہ جس کے سپرد کی جائے، وہ پوری دیانت کے ساتھ اس امانت کے حقوق ادا کرے، اُن ذمہ داریوں کو پورا کرے، جو امانت رکھوانے والے نے کسی امین کے ذمہ لگائی ہیں۔ یہ وہ امانت ہے کہ جو سب سے پہلے آدم علیہ السلام کو دی گئی، پھر حضرت ادریس علیہ السلام اور شیث علیہ السلام سے ہوتی ہوئی حضرت نوح علیہ السلام کو ملی۔ یہی امانت حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت یوسف علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت داؤد و سلیمان علیہما السلام سے ہوتی ہوئی حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک آئی۔ پھر جامع، کامل اور مکمل شکل میں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے قلبِ اطہر پر نازل ہوئی۔ پھر نبی اکرمؐ کے قلبِ اطہر سے صحابہ کرامؓ کے قلوب میں یہ امانت نازل ہوئی۔

ایک حدیث میں آتا ہے کہ ایک صحابی فرماتے ہیں کہ یہ امانت مردوں کے دلوں میں منتقل ہوئی ہے۔ وہ اولوالعزم افراد جو واقعی مرد کہلانے کے قابل ہیں، اصل میں اُن کے قلوب کی گہرائیوں میں نازل ہوئی ہے۔ انھوں نے اسے سیکھا اور اس کی تعلیم دی۔ اس کی تعلیمات کو آگے منتقل کیا۔ (صحیح بخاری، حدیث: 6497) نبی اکرمؐ کی صحبت سے یہ کتابِ مقدس قرآن حکیم صحابہؓ کے قلوب میں اور صحابہؓ کے قلوب سے تابعین کے قلوب میں اور پھر تبع تابعین کے دلوں میں، ایسے ہی اولیاء اللہ کے قلوب سے ہوتے ہوئے قیامت تک مردوں کے دلوں میں یہ امانت منتقل ہوتی رہے گی۔

اس امانت کی بڑی ذمہ داریاں ہیں۔ نبی اکرمؐ پر یہ امانت نازل ہوئی تو اس کی عظمت اور ہیبت کی وجہ سے آپؐ پر وہ لرزہ طاری ہوا تھا کہ جو جبرائیل امین کی پہلی وحی کے بعد آپؐ کپکپاتے ہوئے لہجے میں خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کہتے ہیں کہ "زَمّلونی زَمّلونی" (بخاری)۔ مجھے چادر اوڑھاؤ، لحاف اوڑھاؤ۔ ڈر اور خوف کا عالم یہ ہے کہ حضرت خدیجہؓ سے فرماتے ہیں کہ "خشیتُ علیٰ نفسی" (بخاری)، مجھے اپنی جان کا ڈر ہے، خوف ہے، اتنی بڑی امانت میرے سپرد کی گئی ہے۔ حضرت خدیجہؓ نے تسلی دی کہ ڈرنے کی بات نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو رُسوا نہیں کرے گا۔ وہ ہمت اور طاقت دے گا۔ جس نے جو امانت آپ کے سپرد کی ہے، آپ اس اُمانت کو حق داروں تک پہنچائیں گے۔ اس لیے محمدِ مصطفیٰ ﷺ سے کہا گیا کہ: ''اے رسولؐ! جو اللہ پاک نے آپ پر پیغام منتقل کیا ہے، اسے لوگوں تک پہنچا دیجیے'' (المائدہ: 67)۔

امانت اور دیانت داری کے تقاضے

حضرت آزاد رائے پوری مدظلہٗ نے مزید فرمایا:

''کتابِ مقدس قرآن حکیم کی امانت کا انسانوں میں منتقل کرنے کا صرف یہی مطلب نہیں کہ اُس کا کلام اور تلفظ لوگوں کو سکھا دیا جائے، بلکہ امانت جب دل کی گہرائیوں میں آتی ہے تو پورے وجود کو رنگین کر دیتی ہے۔ انگ انگ اُس کی روشنی سے منور ہو جاتا ہے۔ پھر اُس کا اٹھنا، اُس کا بیٹھنا، اُس کا چلنا، اُس کا کام کاج کرنا، وہ اس امانت کی ذمہ داریوں کے مطابق ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں اُس کی خلاف ورزی کا تصور بھی نہیں ہو سکتا۔ کسی نے آپ کو کسی کام کا امین بنایا ہو، کوئی کام آپ کے سپرد کیا ہو، کوئی ڈیوٹی لگائی ہو، تو آپ وہ کام کتنی ذمہ داری کے ساتھ سرانجام دیتے ہیں۔ جیسے ایک ملازمت ہوتی ہے تو ملازم جس سے تنخواہ وصول کرتا ہے، اس کے کاموں کا امین ہے۔ مزدور کا کام امانت کے ساتھ کام کرنا ہے۔

جب حضرت شعیب علیہ السلام کی بیٹیوں نے اپنے والدِ گرامی سے یہ سفارش کی تھی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مزدور رکھ لیا جائے تو فرمایا تھا کہ یہ قوی بھی ہے، طاقت ور بھی ہے۔ کام بھی کر سکنے کی اس میں صلاحیت ہے اور امانت دار بھی ہے۔ دونوں باتیں ہیں۔ جو آدمی کسی کام کی ذمہ داری قبول کرتا ہے، اس کا فریضہ ہے کہ وہ ان ذمہ داریوں کو اپنی صلاحیت و استعداد اور پوری دیانت داری سے ادا کرے۔

دنیا کے کاموں میں تو ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہمیں دیانت اور امانت کے ساتھ کام کرنا چاہیے، لیکن کلمہ طیبہ پڑھ کر، کتابِ مقدس قرآن حکیم پڑھ کر اُس امانت کو پوری دیانت کے ساتھ پورا کرنے کا تصور ہمارے ہاں عام طور پر نہیں پایا جاتا۔ قرآن حکیم کے پڑھنے پڑھانے کا یہ رویہ سراسر غلط ہے۔ یہ قرآن حکیم کی عظمت کی خلاف ورزی ہے کہ ہم نے اُس امانت کو پورا کرنے کے لیے کوئی تیاری نہیں کی۔ انبیا علیہم السلام، صحابہ کرامؓ، تابعینؒ، تبع تابعینؒ، اولیاء اللہؒ، علمائے ربانیینؒ کی زندگی اس حقیقت کی عکاس ہوتی ہے کہ وہ قرآن حکیم کی اس امانت کو اپنے عملی کردار، اپنے نظم و نسق، اپنی ذمہ داریوں کو صحیح طریقے سے ادا کرنے کے جذبے سے ادا کرتے ہیں۔ وہ اپنے فکر و عمل کو قرآنی تعلیمات کے تناظر میں ڈھالتے ہیں اور اس کے مطابق کردار ادا کرتے ہیں۔

سورتِ ہود کے نزول پر نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ:

''مجھے سورت ہود نے بوڑھا کر دیا'' (سنن ترمذی، حدیث: 3297)۔

اس سورت میں بہت ذمہ داریاں دی گئی ہیں۔ مجھے کہا گیا ہے کہ فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ (ہود: 112)، ثابت قدم رہنا، جیسے آپ کو حکم دیا گیا ہے۔ خواہش پرستوں کی بات کی اتباع مت کرنا۔ ظالم لوگوں کے پیچھے مت چلنا۔ اُن کی طرف میلان ظاہر مت کرنا۔ جیسے حکم دیا گیا ہے، اس کے مطابق بالکل سیدھے رہنا۔ اُن لوگوں کی اتباع مت کرنا، جنھوں نے اپنی خواہش کو خدا بنا لیا ہے، جو اپنے کاموں میں ظالم ہیں، متکبر، بددیانت، بداَخلاق اور جھوٹے ہیں اور امانت میں خیانت کرتے ہیں''۔

www.rahimia.org

امانت کا تقاضا یہ ہے کہ ظلم کے خلاف آواز بلند کی جائے

حضرت آزادرائے پوری مدظلہٗ نے مزید فرمایا:

’’آج کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ قرآن حکیم کی عظیم امانت کو امانت نہیں سمجھا جاتا ہے۔ رٹا سسٹم کے تحت قرآن پڑھ لیا، حفظ کرلیا، تلاوت کرلی، اور سمجھ لیا کہ ہم نے بڑی نورانیت کے ساتھ رابطہ پیدا کرلیا۔ انتظار میں بیٹھ جاتے ہیں کہ کب اس نورانیت کے نتیجے میں دولت کے انبار آئیں، کب ہمارے لیے انعامات کے راستے کھلیں، جب کہ دل میں تو چور بیٹھا ہے۔ دل تو بخل، ضد بازی، حسد اور کینے سے بھرا ہوا ہے۔ انسانی سسٹم میں ظلم موجود ہے۔ عظمتِ قرآن کا تقاضا یہ ہے کہ آج قرآن حکیم پڑھنے پڑھانے، سننے سنانے والے اس امانت کو سب سے پہلے تو دل کی گہرائیوں میں اُتاریں۔ پھر اس کا اثر ان کے اَخلاق و کردار، ان کے مالی معاملات اور ان کے رہن سہن سے ظاہر ہونا چاہیے۔ دوسرے یہ کہ اس امانت کی ذمہ داریوں کو پورا کرتے ہوئے ملک و قوم کے، بلکہ بین الاقوامی نظام کے عدل و انصاف پر قائم کرنے کی جدوجہد اور کوشش کریں۔

آج ظلم و ستم کا مکمل نظام ہر انسان کو گرفت میں لیے ہوئے ہے۔ ذرا کسان کا حال تو دیکھیں! وہ بے چارہ کاشت کار جو چھ مہینے ایک فصل سنبھالتا ہے، سرمایہ داروں کی مقرر کردہ قیمت پر کھاد ڈالتا ہے، اُن کی مقرر کی ہوئی قیمت کا بیج ڈالتا ہے، اُن کی دی ہوئی دوائیوں کو اُن کی قیمت پر سپرے کرتا ہے۔ جب چھ مہینے کی فصل تیار ہوتی ہے تو حکومت میدان میں آجاتی ہے۔ پچھلے سال جو کسانوں کے ساتھ ظلم ہوا، کسی جگہ سے اُس کے خلاف آواز اٹھی؟ خود کسانوں نے آواز اٹھائی؟ اسسٹنٹ کمشنر لاؤلشکر کے ساتھ میدان میں آگئے اور ان کاشت کاروں سے چودہ سو روپے پر گندم اٹھائی۔ دو چار سرمایہ دار جیب میں ہیں، پولیس فورس کے ذریعے سے اُن کے گودام بھرے گئے۔ کہا گیا کہ کسان اپنے کھانے کی صرف بیس پچیس من گندم سٹاک کرے، اس کے علاوہ سب بیچ دے۔ اور جیسے ہی گندم کسانوں کے ہاتھ سے نکلی تو چوبیس سو روپے من ہوگئی۔ کیوں؟ کون سا مافیا ہے، جس نے یہ ظلم کیا۔

افسوس تو اُن گونگے مذہبی لوگوں پر ہے کہ جو اس کاشت کار سے زکوٰۃ اور عشر وصول کرنے اور چندہ وصول کرنے کے لیے چلے جاتے ہیں، لیکن کبھی جمعہ کے خطبے میں اس کے خلاف آواز اٹھائی؟ قرآن پڑھنے والوں نے اس کے بارے میں کوئی بات کی؟ تمھیں کسان کی اس حالت کو نہیں دیکھنا؟ اس کو بچت کیا ہوتی ہے؟ اس کی محنت کتنی تھی؟ چھ مہینے کی محنت اور سرمایہ داروں، کمیشن ایجنٹوں، غلہ منڈی کے آڑھتیوں نے اپنی منہ مانگی قیمت پر کھاد بیج ڈالا، اس کا تو عوض ہی نہیں آیا۔ آج پھر حکومت سولہ سو روپے من گندم کا اعلان کرتی ہے، کس بل بوتے پر؟ مارکیٹ اگر اوپن ہے، سرمایہ دار مارکیٹ ہے، کوریا سے اور روس سے اٹھائیس سو روپے من گندم خرید کر یہاں لائی جارہی ہے اور مقامی کاشت کار کو آج کہا جارہا ہے کہ تم صرف سولہ سو روپے تک گندم بیچو۔ کیا یہ قرآنی تعلیمات پر مبنی امانت کا حق ادا کرنا ہے؟ امانت کی ذمہ داری تو یہ تھی کہ حکومتیں اپنے عوام سے ظلم دور کریں‘‘۔

قرآن ہر طرح کے ظلم کا انکار کرتا ہے

حضرت آزادرائے پوری مدظلہٗ نے مزید فرمایا:

’’یاد رکھیں! قرآن حکیم دوٹوک ہے۔ جو آدمی لوگوں پر ظلم کرتا ہے، قرآن حکیم اس کی مذمت کرتا ہے۔ قرآن حکیم بددیانتی کو کسی صورت قبول نہیں کرتا۔ دیانت اور امانت‘ دین کا بڑا بنیادی تقاضا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: ’’اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ‘‘ (الاحزاب:72) (ہم نے امانت نازل کی ہے)۔ اس انسان کو اس کی ضرورت ہے۔ کیوں ضرورت ہے؟ کیوں کہ یہ بڑا ’’ظلوم‘‘ اور بڑا ’’جہول‘‘ ہے۔ اس کی جہالت دور کرنے کے لیے ہم نے یہ امانت نازل کی، تاکہ یہ علم والا بنے، اپنا ظلم اور اپنی بداَخلاقی دور کرے۔

آج ہمارا سسٹم ظلم کا ہے۔ مافیاز سوسائٹی پر مسلط ہیں۔ آئی ایم ایف‘ پاکستان کی کابینہ کو آرڈر دیتا ہے کہ اپنے اسٹیٹ بینک کو آزادی دو۔ کیا دنیا کے ایک سو بانوے ملکوں میں کسی ملک کا بینک آئی ایم ایف کے عالمی غلامی پر مبنی آزادی کا حامل ہے؟ ملکوں کے بینک اپنے قومی مفادات کے تحت از خود اپنے فیصلے کرنے میں آزاد ہوا کرتے ہیں۔ وہ نہ صرف ملک کی داخلی سیاسی پارٹیوں کی مداخلت سے آزاد ہوتے ہیں، بلکہ عالمی طاغوتی قوتوں کی غلامی سے بھی آزاد ہوتے ہیں۔ آج حالت یہ ہے کہ بینک کی آزادی کے نام پر آئی ایم ایف جو کرانا چاہے، ہمارے بینک کے مقتدر لوگوں سے کرائے۔ پورے ملک کا معاشی نظام جس بینک سے چلتا ہے، اس پورے بینکنگ نظام پر عالمی سرمایہ داری نظام کا قبضہ کرا دیا گیا۔ کیا یہ امانت ہے؟ کہا جاتا ہے کہ عوامی حکومت ہے، جمہوری حکومت ہے۔ یہ کیسی جمہوری حکومت ہے کہ جمہور کا گلا گھونٹ کر اُس کو مادر پدر آزاد قومی ریاست کے تمام دائروں سے آزاد کر کے عالمی سامراجی نظام کے آگے ڈال دیا گیا۔ یہ امانت ہے؟ کیا بددیانتی کی اس سے بڑھ کر کوئی انتہا ہوسکتی ہے؟

ستر سال ہوگئے ہیں اسلامی جمہوریہ پاکستان کے نام سے لوگوں کو بے وقوف بناتے ہوئے۔ جتنا اسلام ان بہتر سالوں میں مٹایا گیا ہے، جتنا قرآن کے خلاف یہاں بددیانتی اور بدنظمی کا نظام قائم کیا گیا ہے، انگریزوں نے بھی اتنا نہیں کیا۔ سوچنے کی بات ہے کہ قرآن کا وہ نظام جو دراصل کل انسانیت کے لیے فلاح و بہبود کا ہے، اسلام کا وہ نظام جو انسانوں کے نفوس کی تہذیب کے لیے ہے، اس کو آج ہم نے پس پشت ڈال دیا۔ بس رسمی طور پر مدرسے بنے ہوئے ہیں، مسجدیں بنی ہوئی ہیں، قرآن رٹہ سسٹم کے تحت حفظ کرلیا، حافظ ہے، لیکن غلط کاریاں نہیں چھوڑتا۔ بددیانتی نہیں چھوڑتا۔ مولوی ہے، لیکن کاروبار میں آیا تو وہاں بھی وہی کام کر رہا ہے جو دوسرے کر رہے ہیں۔ سیاست میں آیا تو جو کام دوسرے کر رہے ہیں، وہی مولانا کر رہے ہیں۔ کیا فرق ہے؟ سوچنے کی بات ہے کہ تبدیلی کیا ہے؟ آج قرآن کے ساتھ بددیانتی کرنا ہی عذاب کا سبب ہے۔ عذاب سے نکلنے کا ایک ہی راستہ ہے کہ قرآن کی اس امانت کو سمجھا جائے اور اس امانت کو دیانت کے ساتھ ادا کرنے، اپنے آپ کو بدلنے، اپنے سسٹم کو بدلنے، اپنے ماحول کو بدلنے کے لیے کردار ادا کیا جائے‘‘۔

وفیات

ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہان پوریؒ کا سانحۂ اِرتحال

وسیم اعجاز، کراچی

2رفروری 2021ءکو ایک افسوس ناک پیغام کے ذریعے یہ اطلاع ملی کہ ولی اللّٰہی تحریکات وشخصیات کے محقق ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہان پوری اس دارِ فانی سے کوچ فرما گئے ہیں۔ إنا للّٰہ و إنا إلیہ راجعون۔ پاکستان میں تحریکاتِ آزادی کے رہنماؤں، ان کے اَفکار وخیالات اور قومی، ملّی وادبی خدمات کو اپنی تحاریر کی صورت میں ہر خاص و عام سے متعارف کروانے میں ماضی قریب میں جن دانش وروں اور محققین نے انتہائی اہم کردار ادا کیا، ان میں ایک نمایاں نام ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہان پوریؒ کا بھی ہے۔ ولی اللّٰہی تحریک سے تعلق رکھنے والی تقریباً تمام شخصیات پر ان کے قلم نے سفر طے کیا۔

موصوف شاہجہانپور میں محمد حسین خاں کے ہاں 30رجنوری 1940ء کو پیدا ہوئے۔ اصل نام تصدق حسین خاں تھا۔ مدرسہ شاہی مرادآباد سے قرآنِ حکیم حفظ کیا اور عربی و فارسی کی کتابیں پڑھیں۔ 1951ء میں ہجرت کرکے پاکستان تشریف لے آئے۔ محض 17رسال کی عمر میں ہی لکھنے کا آغاز کیا۔ اپنا قلمی نام 'ابوسلمان الہندی' اور بعد ازاں 'ابوسلمان شاہجہانپوری' اور متعدد تحریروں میں 'ابوشاہد' بھی استعمال کیا۔ مطالعے کی عادت موصوف کو اپنے ماموں مقصود حسن خاں کی وجہ سے پیدا ہوئی۔ ان کے ہاں اخبار ''مدینہ'' بجنور اور اخبار ''الجمعیۃ'' دہلی باقاعدگی کے ساتھ آتا تھا۔ لکھنے کا شوق موصوف کے چچا محترم مولانا محمد عبدالہادی خاں (شاگرد مفتی کفایت اللہ دہلویؒ) کی وجہ سے پروان چڑھا۔ انھیں کی بدولت ولی اللّٰہی جماعت کے اکابرین سے محبت کا تعلق پیدا ہوا۔ ان پر ان کے متعدد مضامین اور کتب شائع ہوچکی ہیں۔ ان حضرات میں حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ سے لے کر مولانا ابوالکلام آزادؒ اور امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ تک تقریباً تمام رہنما شامل ہیں۔ مولانا ابوالکلام آزادؒ پر کثیر تعداد میں تحقیقی مقالہ جات اور تحاریر لکھنے کی وجہ سے موصوفؒ کو پاکستان میں نمایاں مقام حاصل ہے۔

ڈاکٹر ابوسلمان مرحوم کا ولی اللّٰہی تحریک سے عقیدت کا یہ عالم تھا کہ 1980ء میں پی ایچ ڈی کے لیے جو عنوان منتخب کیا، وہ بھی ''تذکرۂ خانوادۂ ولی اللّٰہی'' تھا۔ تمام عمر درس و تدریس کے شعبے سے وابستہ رہے۔ انجمن ترقیٔ اُردو پاکستان، شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدرآباد، مدرسہ تعلیم القرآن، ہولی قرآن سوسائٹی، نیشنل کالج کراچی کے علاوہ متعدد تعلیمی اداروں میں خدمات سرانجام دیں۔ تحقیق و تدوین کے لیے جو ادارے خود قائم کیے، ان میں ادارہ تحقیقات افکار و تحریکاتِ ملّی کراچی، مولانا ابوالکلام ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کراچی پاکستان، مکتبہ شاہد، علی گڑھ کالونی کراچی اور ادارہ تصنیف وتحقیق پاکستان قابل ذکر ہیں۔ ان اداروں سے گراں قدر تحاریر اور کتب شائع ہوتی رہیں، جن میں مولانا ابوالکلام آزادؒ، حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ، مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ، مولانا محمد علی جوہرؒ، مولانا عبیداللہ سندھیؒ، مفتی کفایت اللہ دہلویؒ، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ کی شخصیات اور تحریکات کے تعارف کے علاوہ بے شمار کتب شامل ہیں۔ 100 سے زائد کتب تحریر اور مدوّن کیں، جن میں انتہائی اہم کام شیخ الاسلام مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ کی سیاسی ڈائری قابلِ ذکر ہے، جو کم وبیش 7000 سے زائد صفحات پر مشتمل ہے۔ 1986ء میں موصوفؒ کی رہائش گاہ علی گڑھ کالونی میں کچھ شرپسند عناصر نے گھروں کو آگ لگادی تو اس میں آپ کی قیمتی کتابوں کا ذخیرہ اور نادر مخطوطات کے ساتھ ساتھ تاریخی اہمیت کی دستاویزات بھی جل کر راکھ کا ڈھیر ہوگئیں۔ یقیناً یہ صدمہ بہت دکھ انگیز تھا، لیکن آپؒ کے ذوقِ مطالعہ اور شوقِ تحقیق نے ہمت نہیں ہارنے دی اور ایک بار پھر سے کتابوں کو جمع کرنا شروع کردیا۔

ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہان پوریؒ ہر اُس فرد کا احترام کرتے تھے، جو ولی اللّٰہی خانوادے اور ان کی تحریکات سے لگاؤ رکھتا تھا۔ ولی اللّٰہی اکابرین کے سلسلے میں ہونے والے متعدد سیمینارز میں شرکت کی غرض سے ملکِ عزیز کے علاوہ ہندوستان کے بھی اسفار کیے۔ پاکستان میں ولی اللّٰہی افکار پر جدوجہد کرنے والی جماعت تنظیم فکرِ ولی اللّٰہی پاکستان کے بانی حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ کے ساتھ انتہائی عقیدت کا تعلق تھا۔ جب بھی کبھی حضرتِ اقدسؒ کراچی کے دورے پر تشریف لاتے تو خود چل کر حاضر ہوتے اور اپنے ہاں آنے کی دعوت دیتے تھے۔ متعدد بار ایسا ہوا کہ تحریکاتِ آزادی اور حریت پسند اکابرین کی خدمات کے بارے میں موصوف اور حضرتِ اقدسؒ کے درمیان گھنٹوں نشست جاری رہتی۔ اپنے قریبی دوست مولانا عطاء الرحمٰن شیرازی صاحب سے حضرتِ اقدسؒ کی آمد کے بارے میں دریافت کرتے رہتے تھے۔

حضرتِ اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ کے وصال کے بعد خانقاہ عالیہ رحیمیہ رائے پور کے موجودہ مسند نشین حضرت اقدس مولانا مفتی شاہ عبدالخالق آزاد رائے پوری مدظلہٗ سے بھی اسی طرح عقیدت کا تعلق رکھتے تھے۔ اپنی ترتیب دی ہوئی کتب بھی حضرت رائے پوری کو پیش کرتے رہتے تھے۔ جب انھیں حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ کی سوانح حیات پر مشتمل کتاب اور امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ کی کتاب ''التمهيد لتعريف أئمة التجديد'' کا ترجمہ پیش کی گئی تو بہت خوش ہوئے اور دیر تک ان حضرات کے بارے میں بات چیت کرتے رہے۔ آخری عمر میں باوجود اس کے کہ یادداشت ساتھ نہ دیتی تھی، لیکن مولانا ابوالکلام آزادؒ اور حضرت مدنیؒ کے سیاسی تصورات اور ان کی خدمات کے بارے میں بڑے اعتماد کے ساتھ گفتگو جاری رکھتے۔ ولی اللّٰہی تحریک کے ان اکابرین کا نام سنتے ہی ان کی آنکھوں میں خاص چمک آجاتی تھی۔ غرض! یہ کہ موصوف نے تحقیق اور تدوین کے میدان کو اپنی زندگی کا مقصد بنایا۔ وہ اس میدان کے شہ سوار تھے۔ آخری عمر میں ضعف بڑھ گیا تھا۔ آپ کی زندگی کا علم، ادب اور تحقیق وتصنیف سے بھرپور یہ سفر 2رفروری 2021ء کو پورا ہوا اور آپؒ اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مساعی کو قبول فرمائے۔ (آمین!)

www.rahimia.org

بقیہ حضرت خبّاب بن ارتؓ مسلمانوں میں اوّل دن سے ہی تعلیم قرآن کا شوق تھا اور مشکل ترین زمانے میں بھی قرآنی علوم و معارف سے آگاہی اپنی بنیادی ذمہ داری سمجھتے تھے۔ چناں چہ ایک مرتبہ حضرت خبابؓ حضرت عمرؓ کی بہن اور بہنوئی کو گھر میں قرآن حکیم سکھلا رہے تھے کہ عمر (قبل از اسلام) آ پہنچے اور حضرت خبابؓ گھر میں چھپ گئے۔ گویا غلام ہو کر بھی علمی کردار ادا کرتے ہیں۔ حضرت خبابؓ کی علمی اور فکری نسبت بہت گہری ہے۔ حضرت معدیکرب کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم لوگ حضرت ابن مسعودؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے سورہ طٰسٓمّٓ جو دوسو آیات پر مشتمل ہے، سنانے کی فرمائش کی تو انھوں نے فرمایا: ''یہ سورت مجھے یاد نہیں ہے، البتہ تم ان صاحب کے پاس چلے جاؤ جنھوں نے اسے خود نبیؐ سے یاد اور حاصل کیا ہے، یعنی حضرت خبابؓ''۔ چناں چہ ہم لوگ حضرت خبابؓ کے پاس آئے تو انھوں نے ہمیں وہ سورت پڑھ کر سنائی۔

حضرت خبابؓ کے فضائل کی وجہ سے حضرت فاروقِ اعظم ان کا بہت احترام کرتے تھے۔ ایک دن حضرت خبابؓ آپؓ سے ملنے گئے تو حضرت عمرؓ نے ان کو اِکراماً اپنی نشست گاہ پر بٹھایا اور لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ: ''ان کے علاوہ صرف ایک شخص اَور ہے جو اس پر بیٹھنے کا مستحق ہے۔ حضرت خبابؓ نے پوچھا امیر المؤمنین! وہ کون؟ فرمایا: بلالؓ! آپؓ نے عرض کیا: ''وہ میرے برابر کیسے مستحق ہو سکتے ہیں؟ حال آں کہ مکی دور میں مشرکین میں ان کے بہت سے مددگار تھے، لیکن میرا پوچھنے والا سوائے اللہ کے کوئی نہ تھا''۔ آپؓ نے اس دور کی اپنے مصائب و آلام کی تاریخ سنائی اور اپنی پیٹھ دکھائی، جس کے خون و پانی سے آگ بجھا کرتی تھی۔

حضرت خبابؓ ۳۷ھ میں کوفہ میں طویل عرصے تک سخت بیماری میں مبتلا رہے۔ آپؓ کوفہ میں وفات پانے والے سب سے پہلے صحابیٔ رسول ہیں۔ آپؓ کی وصیت کے مطابق کوفہ شہر کے باہر آپؓ کی تدفین کی گئی۔ آپ کی عمر 73 سال تھی۔ اس سے قبل لوگ مرنے والوں کو اپنے اپنے گھروں کے صحن یا دروازوں کے باہر دفنایا کرتے تھے۔ آپؓ کی وصیت سے یہ سنت جاری ہوگئی اور کوفہ شہر سے باہر قبرستان میں تدفین کو رواج ملا۔ آپؓ کی نمازِ جنازہ حضرت علیؓ نے پڑھائی اور آپؓ کی قبر پر کھڑے ہو کر آپؓ کی بھرپور زندگی کا یوں تعارف کرایا: ''اللہ خباب پر رحم فرمائے۔ اپنے شوق سے اسلام قبول کیا۔ دِلی رغبت سے ہجرت کی۔ مجاہدانہ جدوجہد سے بھرپور زندگی گزاری۔ جسمانی مرض میں مبتلا رہے۔ اللہ تعالیٰ اچھے عمل کرنے والوں کا اجر و ثواب ضائع نہیں کرتا''۔

بقیہ تمام نیکیوں کا بنیادی اساسی اُصول؛ توحیدِ الٰہی: یہ تین (گمراہ) فرقے ہیں، جن کے بڑے لمبے چوڑے دعوے ہیں اور ان کی بہت سی خرافات ہیں۔ تحقیق کرنے والے پر یہ بات مخفی نہیں ہے۔

توحید کے انھی دو مرتبوں (1۔ آسمانوں اور زمینوں کی حکمرانی 2۔ اور اللہ کے علاوہ کوئی اَور عبادت کا مستحق نہیں) کے حوالے سے قرآن عظیم نے بحث کی ہے اور کافروں کے شبہات کو کافی طور پر بہت اچھے اور بہترین طریقے سے رد کیا ہے۔

(المبحث الخامس، مبحث البرّ و الإثم، باب 1: توحید)

بقیہ خودمختار مرکزی بینک؟

چناں چہ ان سرمایہ داروں کے لیے کھیل کے طریقے وضع کیے جا رہے ہیں اور ان طریقوں کو قانونی تحفظ دینے کی تیاری ہے۔ ایک حوالے سے دیکھا جائے تو یہ درست بھی ہے۔ کیوں کہ سیاسی صف بندی کی قیمت بالآخر عوام سے ہی وصول کی جاتی ہے، جو آج کے دور میں چین اور دیگر قوتوں کے ساتھ مقابلے کے حوالے سے مشکل سے مشکل ہوتا جا رہا ہے۔ اس لیے Autonomous (خودمختار) اور آزاد اِداروں کے دور کا آغاز کیا جا چکا ہے کہ تنازعے کی صورت میں جلد فیصلہ ہو، معاملہ آگے بڑھے اور حکومتیں عوامی مقبولیت حاصل کرنے یا اپنی کرپشن کی خاطر وسائل فراہم کرنے کے لیے نوٹ نہ چھاپیں، یا بے پناہ قرض نہ لیں، یا مخصوص صنعتوں کو ٹیکس میں چھوٹ اور مراعات نہ دیں، بلکہ یہ سب کام برابری کی سطح پر ہوں۔ اس مقصد کے حصول کے لیے آئی ایم ایف نے موجودہ حکومت کو ٹاسک دیا تھا، جو اس نے بہترین انداز میں سرانجام دیا ہے۔ اس کے ثمرات کو دوام بخشنے کے لیے اور گزشتہ ادوار کے عاقبت نااندیش فیصلہ سازوں سے مستقبل میں بچے رہنے کے لیے اسٹیٹ بینک کو خودمختاری دینے کے حوالے سے مہم کا آغاز کیا جا چکا ہے۔ یہ عمل یقیناً ہماری معاشی غلامی کی تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ کرے گا، لیکن پاکستان جس کی مقتدرہ ایک بازیچۂ اَطفال سے کم نہیں۔ اس کی معاشی بے راہ رویوں سے تنگ آ کر ہمارے آقا نے یہی کرنا تھا۔ چناں چہ اب ہمارا مرکزی بینک ایک متوازی حکومت کے طور پر سامنے آئے گا، جس میں ملکی مانیٹری پالیسی اور شرح سود، کرنسی کی قدر، نوٹوں کی چھپائی، حکومت کو قرض وغیرہ اب ایک طے شدہ قاعدے سے ہوگا۔ اس کے بروئے کار آنے کا سراسر تعلق عالمی مالیاتی نظام سے جڑا ہوگا، جس میں مقامی سیاسی و معاشی پالیسی ثانوی حیثیت اختیار کر لے گی۔

ترقی یافتہ دنیا کے مرکزی بینک اپنے ملکوں کے فائدے کے لیے آزاد اور خودمختار ہیں۔ ان میں قابلِ ذکر امریکا، جرمنی، یورپی یونین، روس، بھارت، اسرائیل، اٹلی، یونان ترکی وغیرہ شامل ہیں۔ برطانوی مرکزی بینک مکمل آزاد ادارہ نہیں ہے، جہاں شرح سود کے تعین جیسا اہم فیصلہ یہ خود نہیں کر سکتا۔ اس کے علاوہ چین اور ایران قابلِ ذکر ہیں، جن کے مرکزی بینک اپنے مقامی قوانین کے تابع ہیں۔ مرکزی بینک کی آزادی ایک ایسی بحث ہے، جو قریباً ڈیڑھ صدی سے جاری ہے۔ جہاں یہ بینک آزاد ہیں، وہاں حکومتیں اپنی مشکلات اور ناکامیوں کا باران پر ڈالتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ جہاں یہ بینک مقامی پالیسی کے تابع ہیں، وہاں کرنسی کی مصنوعی قدر، افراطِ زر وغیرہ بروئے کار آتے ہیں۔ چوں کہ پاکستان ایسے بڑے فیصلے خود کرنے کا عادی نہیں، اس لیے طے یہ پایا ہے کہ ہمارا مرکزی بینک آزاد ہوگا اور ہماری مقتدرہ کو اسٹیبلشمنٹ، موسمی صورتِ حال اور قدرت کے علاوہ اسٹیٹ بینک بھی میسر ہوگا، جن پر وہ اپنی ناکامیوں کا بار ڈال سکیں گے۔ یاد رہے! یہ پہلی دفعہ نہیں ہے کہ اسٹیٹ بینک کے ایکٹ میں ترمیم کی جا رہی ہے۔ اس سے قبل چار دفعہ ایسا کیا جا چکا ہے، لیکن یہ پہلی دفعہ ہے کہ ہمیں اپنی غلامی کا احساس ہوا ہے۔

www.rahimia.org

منظوم کلام

حمد یہ نعت

خدا در انتظارِ حمدِ ما نیست　　محمد چشم بر راہِ ثنا نیست
نہیں حاجت خدا کو ہے مری حمد وثنا کی　　صفت کی راہ نہ دیکھیں محمد مصطفیٰؐ بھی

خدا مدح آفرینِ مصطفیٰ بس　　محمد حامدِ حمدِ خدا بس
خدائے لم یزل کافی ہیں نعتِ مصطفیٰؐ کو　　محمد مصطفیٰؐ کامل ہیں حمدِ کبریا کو

مناجاتے اگر باید بیاں کرد　　بہ بیتے ہم قناعت مے تواں کرد
اگر چاہو خدا کے سامنے کچھ التجا ہو　　اکیلے ایک مصرعہ میں ہی ممکن اکتفا ہو

محمد از تو مے خواہم خدا را　　خدایا از تو عشقِ مصطفیٰؐ را
محمدؐ! معرفتِ حق آپ کے ذریعے عطا ہو　　خدایا! عشقِ آنحضرتؐ ترے ذریعے ملا ہو

دِگر لب وا مکن مظہرؔ فضولیست　　سخن از حاجت افزوں تر فضولیست
بجز اس کے اے مظہرؔ گفتگو ہی بے بصر ہے　　کہ زائد از ضرورت بات کہنا بے ثمر ہے

شاعر (فارسی): حضرت مرزا مظہر جانِ جاناںؒ

منظوم اردو ترجمہ: وسیم اعجاز، کراچی

بقیہ: عالمی منظرنامہ جدید دنیا نے نئی ٹیکنالوجی دریافت کرلی ہے۔ دنیا میں ترقی کا سفر ٹیکنالوجی کے مرہونِ منت طے ہوتا ہے۔ افغانستان کی جنگ میں امریکا کی کامیابی کی بنیادی وجہ سٹنگر میزائل کی دریافت اور اس کا استعمال تھا۔ آج محسوس ہو رہا ہے کہ سامراج قوموں کو تباہ کرنے کی حکمتِ عملی سے پیچھے ہٹ کر اپنے اصل دشمن اشتراکی نظام کی حکمتِ عملی پر غور کر رہا ہے، جس کی واضح علامت رائٹر کی 27/ مارچ 2021ء کی رپورٹ ہے، جس میں امریکی صدر جو بائیڈن کا برطانوی وزیراعظم بورس جانسن کو فون کرکے یہ کہنا ہے کہ: ''ہمیں بھی دنیا بھر میں جمہوری ریاستوں کی مدد کے لیے چین کی طرح کسی عالمی سڑک کی تعمیر پر غور وغوض کرنا چاہیے''۔ اسے سرمایہ داری نظام کے مدِمقابل اشتمالی معاشی نظام کی کامیابی کا منہ بولتا ثبوت کہا جاسکتا ہے۔

روس، چین، ہندوستان اور پاکستان پر مشتمل کلب امریکی انخلا کے بعد افغانستان کی تعمیرِ نو کے مسئلے کو حل کرسکتا ہے۔ کیوں کہ جس جتھے نے نیٹو کے نام سے افغانستان اور مشرقِ وسطیٰ کے متعدد ممالک کو تباہ و برباد کیا تھا، جو کہ ایک تخریب کاری تھی، جسے انھوں نے اکیلے سرانجام نہیں دیا تھا، جب کہ تعمیر مشکل کام ہے، اسے کوئی ملک اکیلا نہیں کرسکتا ہے۔ جن وسائل اور افکار ونظریات کی ضرورت ہوتی ہے، ان کی فراہمی بھی ایک مشکل کام ہے۔ چین اور روس ایسے ممالک ہیں جو تعمیرِ نو کا وسیع تجربہ رکھتے ہیں۔ اداروں کی تشکیل کے کام سے بہ خوبی آگاہ ہیں، لہٰذا اس کلب کا قیام وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔

دینی مسائل

اس صفحے پر قارئین کے سوالات کے جوابات دیے جاتے ہیں!

از حضرت مفتی عبدالقدیر　شعبۂ دارالافتا　ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور

سوال کیا تراویح یا نوافل کی جماعت میں سامع موبائل سے قرآنِ کریم سے دیکھ کر امام اور قاری کو لقمہ دے سکتا ہے؟ کیا ایسا کرنے سے نماز ہو جائے گی؟

جواب امام قرأت میں اٹک جائے یا غلط پڑھ جائے تو اس کا مقتدی اگر غیر نمازی کے کہنے پر یا قرآن پاک موبائل وغیرہ سے دیکھ کر امام صاحب کو لقمہ دے تو اس مقتدی کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ اور اگر امام اس مقتدی کا لقمہ لے لے تو امام کی نماز بھی فاسد ہو جائے گی۔ اگر حافظ مقتدی کو قرآن دیکھنے کے بعد یا کسی غیر نمازی سے سننے کے بعد اس مقتدی کو خود بھی یاد آ گیا اور پھر اس نے اپنی یاد سے لقمہ دیا، تو اس صورت میں نماز فاسد نہ ہوگی۔

سوال ایک امام غلطی سے نمازِ تراویح میں دوسری رکعت کے بعد قعدہ کرکے تیسری رکعت کے لیے کھڑا ہو گیا اور تیسری رکعت بھی مکمل کرلی تو وہ اب کیا کرے؟ محمد اسعد، چشتیاں

جواب اگر امام نے دوسری رکعت میں قعدہ کرلیا ہے تو دو رکعتیں اَور ساتھ ملا کر چار رکعات کے بعد سلام پھیر دے، نمازِ تراویح صحیح ہو جائے گی۔ مگر افضل عمل دو دو رکعت کرکے پڑھنا ہے۔ ہاں! اگر امام صاحب نے دوسری رکعت کے بعد قعدہ نہیں کیا اور تیسری رکعت کے لیے کھڑا ہو گیا تو اگر اس کو قیام میں یاد آ گیا یعنی تیسری رکعت کے سجدے سے پہلے پہلے یاد آ گیا تو اُسے چاہیے کہ واپس بیٹھے، قعدہ کرے اور سجدہ سہو بھی کرلے۔ البتہ اگر تیسری رکعت کا سجدہ کرلینے کے بعد یاد آیا تو ایک رکعت اَور پڑھ کر سجدہ سہو کرکے نماز سے فارغ ہو۔ اس صورت میں اس کی پہلی دو رکعتیں نفل اور بعد والی دو رکعتیں تراویح شمار ہوں گی۔ اس لیے بہتر یہ ہے کہ پہلی دو رکعتوں میں پڑھے جانے والے قرآن حکیم کی قرأت دوبارہ کرلے۔

سوال ایک عورت مسماۃ صغریٰ بی بی جو کہ غیر شادی شدہ تھی، وفات پاچکی ہے۔ متوفیہ کے دو بھائی تھے اور دو بہنیں۔ ایک بھائی کا نام اکبر تھا اور دوسرے کا نام اسلم۔ یہ دونوں بھائی متوفیہ صغریٰ بی بی سے پہلے فوت ہو گئے تھے۔ اب ان کی اولاد موجود ہے۔ اکبر کی اولاد میں ایک بیٹا جنید اور ایک بیٹی شگفتہ بی بی، جب کہ اسلم کی اولاد میں ایک بیٹی سکینہ بی بی اور ایک بیٹا اشرف زندہ موجود ہیں۔ ان کے علاوہ متوفیہ کی ہمشیرگان آسیہ اور نسرین بھی زندہ موجود ہیں۔ صغریٰ کی وراثت کی تقسیم کس طرح ہوگی؟

سائل: سجاول قمر ایڈووکیٹ، سیالکوٹ

جواب متوفیہ صغریٰ کی کل وراثت کے 6 حصے کیے جائیں گے۔ ان میں سے 2 حصے بہن آسیہ کو، 2 حصے بہن نسرین کو، 1 حصہ بھتیجا جنید کو اور 1 حصہ بھتیجا اشرف کو ملے گا، جب کہ بھتیجی شگفتہ اور بھتیجی سکینہ شرعاً ترکہ سے محروم ہوں گی۔

مدیرِ اعلیٰ مفتی عبدالخالق آزاد طابع و ناشر نے اے۔ جے پرنٹرز 28/A نسبت روڈ لاہور سے چھپوا کر دفتر ماہ نامہ ''رحیمیہ'' رحیمیہ ہاؤس 33/A کوئینز روڈ لاہور سے جاری کیا۔